

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الْكَافِرُونَ

109

سید ابوالاعلیٰ مودودی

فہرست

3	نام:
3	زمانہ نزول:
3	تاریخی پس منظر:
6	موضوع اور مضمون:
8	رکوع ۱۶

نام:

پہلی ہی آیت **قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ** کے لفظ **الْكَافِرُونَ** کو اس سورت کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول:

حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضر حسن بصری اور عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے، حضرت عبد اللہ زبیر کہتے ہیں کہ مدنی ہے، اور حضرت عبد اللہ بن عباس اور قتادہ سے دو قول منقول ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ مکی ہے اور دوسرا یہ کہ مدنی ہے۔ لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک یہ مکی سورت ہے اور اس کا مضمون خود اس کے مکی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

تاریخی پس منظر:

مکہ معظمہ میں ایک دور ایسا گزرا ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتِ اسلام کے خلاف قریش کے مشرک معاشرے میں مخالفت کا طوفان تو برپا ہو چکا تھا، لیکن ابھی قریش کے سردار اس بات سے بالکل مایوس نہیں ہوئے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی نہ کسی طرح مصالحت پر آمادہ کیا جاسکے گا۔ اس لیے وقتاً فوقتاً وہ آپ کے پاس مصالحت کی مختلف تجویزیں لے لے کر آتے رہتے تھے تاکہ آپ ان میں سے کسی کو مان لیں اور وہ نزاع ختم ہو جائے جو آپ کے اور ان کے درمیان رونما ہو چکی تھی۔ اس سلسلے میں متعدد روایات احادیث میں منقول ہوئی ہیں: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ قریش کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا ہم آپ کو اتنا مال دیے دیتے ہیں کہ آپ مکہ کے سب سے زیادہ دولت مند آدمی بن جائیں، آپ جس عورت کو پسند کریں اس سے آپ کی شادی کیے

دیتے ہیں، ہم آپ کے پیچھے چلنے کے لیے تیار ہیں، آپ بس ہماری یہ بات مان لیں کہ ہمارے معبودوں کی برائی کرنے سے باز رہیں۔ اگر یہ آپ کو منظور نہیں، تو ہم ایک اور تجویز آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں جس میں آپ کی بھی بھلائی ہے اور ہماری بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا ایک سال آپ ہمارے معبودوں لات اور عزیٰ کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھا، ٹھیرو، میں دیکھتا ہوں کہ میرے رب کی طرف سے کیا حکم آتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی درجہ میں بھی اس تجویز کو قابل قبول کیا معنی قابل غور بھی سمجھتے تھے، اور آپ نے معاذ اللہ کفار کو یہ جواب اس امید پر دیا تھا کہ شاید اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی منظوری آجائے۔ بلکہ دراصل یہ بات بالکل ایسی ہی تھی جیسے کسی ماتحت افسر کے سامنے کوئی بے جا مطالبہ پیش کیا جائے اور وہ جانتا ہو کہ اس کی حکومت کے لیے یہ مطالبہ قابل قبول نہیں ہے، مگر وہ خود صاف انکار کر دینے کے بجائے مطالبہ کرنے والوں سے کہے کہ میں آپ کی درخواست اوپر بھیجے دیتا ہوں، جو کچھ وہاں سے جواب آئے گا وہ آپ کو بتا دوں گا۔ اس سے فرق یہ واقع ہوتا ہے کہ ماتحت افسر اگر خود ہی انکار کر دے تو لوگوں کا اصرار رہتا ہے لیکن اگر وہ بتائے کہ اوپر سے حکومت کا جواب ہی تمہارے مطالبہ کے خلاف آیا ہے تو لوگ مایوس ہو جاتے ہیں۔ بہر حال اس پر وحی نازل ہوئی "قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ"۔۔۔۔۔ اور یہ کہ "قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ تَأْمُرُونِي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ (الزمر، آیت 64)" ان سے کہو، اے نادانو! کیا تم مجھ سے یہ کہتے ہو کہ اللہ کے سوا میں کسی اور کی عبادت کروں" (الزمر، آیت 64) حوالہ ابن جریر، ابن ابی حاتم، طبرانی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت ہے کہ قریش کے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا "اے محمد، اگر تم ہمارے معبود بتوں کو چوم لو تو ہم تمہارے معبود کی عبادت کریں گے۔" اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ (عبد بن حمید)

سعید بن میناء (ابو البختری کے آزاد کردہ غلام) کی روایت ہے کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن المطلب اور امیہ بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے اور آپ سے کہا "اے محمد، آؤ ہم تمہارے معبود کی عبادت کرتے ہیں اور تم ہمارے معبودوں کی عبادت کرو اور ہم اپنے سارے کاموں میں تمہیں شریک کیے لیتے ہیں۔ اگر وہ چیز جو تم لے کر آئے ہو اُس سے بہتر ہوئی جو ہمارے پاس ہے تو ہم تمہارے ساتھ اُس میں شریک ہوں گے اور اپنا حصہ اُس سے پالیں گے۔ اور اگر وہ چیز جو ہمارے پاس ہے اُس سے بہتر ہوئی جو تم لائے ہو تو تم ہمارے ساتھ اس میں شریک ہو گے اور اس سے اپنا حصہ پالو گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ۔۔۔ (حوالہ ابن جریر و ابن ابی حاتم۔ ابن ہشام نے بھی سیرت میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے)۔

وہب بن منبہ کی روایت ہے کہ قریش کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا اگر آپ پسند کریں تو ایک سال ہم آپ کے دین میں داخل ہو جائیں اور ایک سال آپ ہمارے دین میں داخل ہو جایا کریں (حوالہ عبد بن حمید۔ ابن ابی حاتم)۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک ہی مجلس میں نہیں بلکہ مختلف اوقات میں مختلف مواقع پر کفار قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس قسم کی تجویزیں پیش کی تھیں اور اس بات کی ضرورت تھی کہ ایک دفعہ دو ٹوک جواب دے کر اُن کی اس امید کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین کے معاملے میں کچھ دو اور کچھ لو کے طریقے پر اُن سے کوئی مصالحت کر لیں گے۔

موضوع اور مضمون:

اس پس منظر کو نگاہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت مذہبی رواداری کی تلقین کے لیے نازل نہیں ہوئی تھی، جیسا کہ آج کل کے بعض لوگ خیال کرتے ہیں، بلکہ اس لیے نازل ہوئی تھی کہ کفار کے دین اور ان کی پوجا پاٹ اور ان کے معبودوں سے قطعی براءت، بیزاری اور لا تعلقی کا اعلان کر دیا جائے اور انہیں بتا دیا جائے کہ دین کفر اور دین اسلام ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں، اُن کے باہم مل جانے کا سرے سے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بات اگرچہ ابتداءً قریش کے کفار کو مخاطب کر کے اُن کی تجاویز مصالحت کے جواب میں کہی گئی تھی، لیکن یہ اُنہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اسے قرآن میں درج کر کے تمام مسلمانوں کو قیامت تک کے لیے یہ تعلیم دے دی گئی ہے کہ دین کفر جہاں جس شکل میں بھی ہے اُن کو اس سے قول اور عمل میں براءت کا اظہار کرنا چاہیے اور بلا رورعایت کہہ دینا چاہیے کہ دین کے معاملے میں وہ کافروں سے کسی قسم کی مداہنت یا مصالحت نہیں کر سکتے۔ اسی لیے یہ سورت اُس وقت بھی پڑھی جاتی رہی جب وہ لوگ مرکھپ گئے تھے جن کی باتوں کے جواب میں اسے نازل فرمایا گیا تھا، اور وہ لوگ بھی مسلمان ہونے کے بعد اسے پڑھتے رہے جو اس کے نزول کے وقت کافر و مشرک تھے، اور اُن کے گزر جانے کے صدیوں بعد آج بھی مسلمان اس کو پڑھتے ہیں کیونکہ کفر اور کافری سے بیزاری ولا تعلقی ایمان کا دائمی تقاضا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں اس سورت کی کیا اہمیت تھی، اس کا اندازہ ذیل کی چند احادیث سے کیا جاسکتا ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے بارہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فجر کی

نماز سے پہلے اور مغرب کی نماز کے بعد کی دو رکعتوں میں **قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ** اور **قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ** پڑھتے دیکھا ہے۔ (اس مضمون کی متعدد روایات کچھ لفظی اختلافات کے ساتھ امام احمد، ترمذی، نسائی ابن ماجہ، ابن حبان اور ابن مردویہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہیں)۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ جب تم سونے کے لیے اپنے بستر پر لیٹو تو **قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ** پڑھ لیا کرو، اور حضور **صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** کا خود بھی یہ طریقہ تھا کہ جب آپ **صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** سونے کے لیے لیٹتے تو یہ سورت پڑھ لیا کرتے تھے۔ (بزار، طبرانی، ابن مردویہ)۔

ابن عباس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا: "میں تمہیں بتاؤں وہ کلمہ جو تم کو شرک سے محفوظ رکھنے والا ہے؟ وہ یہ ہے کہ سوتے وقت **قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ** پڑھ لیا کرو۔" (ابو یعلیٰ، طبرانی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل سے فرمایا: سوتے وقت **قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ** پڑھ لیا کرو کیونکہ یہ شرک سے براءت ہے (بیہقی فی الشعب)

فروہ بن نوفل اور عبد الرحمن بن نوفل، دونوں کا بیان ہے کہ ان کے والد نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ الا شجعی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیجیے جسے میں سوتے وقت پڑھ لیا کروں۔ آپ نے فرمایا **قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ** آخر تک پڑھ کر سو جایا کرو، کیونکہ یہ شرک سے

براءت ہے حوالہ مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ابی شیبہ، حاکم، ابن مردویہ، بیہقی فی الشعب۔ ایسی ہی درخواست حضرت زید بن حارثہ کے بھائی حضرت جبل بن حارثہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی تھی اور ان کو بھی آپ نے یہی جواب دیا تھا۔ (مسند احمد، طبرانی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رکوع ۱۶

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُونَ ﴿١﴾ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ﴿٢﴾ وَلَا أَنْتُمْ عٰبِدُونَ مَا أَعْبُدُ ﴿٣﴾ وَلَا أَنَا عٰبِدُ مَا عٰبَدْتُمْ ﴿٤﴾ وَلَا أَنْتُمْ عٰبِدُونَ مَا أَعْبُدُ ﴿٥﴾ لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِي دِیْنِی ﴿٦﴾

رکوع ۱۶

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔

کہہ دو کہ اے کافرو! **1** میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو **2**، اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں **3**۔ اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے، اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں **4**۔ تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین **5**۔ ۱۶

▲ سورة الكافرون حاشیہ نمبر: 1

اس آیت میں چند باتیں خاص طور پر توجہ طلب ہیں:

(۱) حکم اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے کہ آپ کافروں سے یہ بات صاف صاف کہہ دیں، لیکن آگے کا مضمون یہ بتا رہا ہے کہ ہر مومن کو وہی بات کافروں سے کہہ دینی چاہیے جو بعد کی آیات میں بیان ہوئی ہے کہ حتیٰ کہ جو شخص کفر سے توبہ کر کے ایمان لے آیا ہو اس کے لیے بھی لازم ہے کہ دین کفر اور اس کی عبادات اور معبودوں سے اسی طرح اپنی براءت کا اظہار کر دے۔ پس لفظ قُل (کہہ دو) کے اولین مخاطب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، مگر حکم حضور کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ آپ کے واسطے سے ہر مومن کو پہنچتا ہے۔

(۲) "کافر" کا لفظ کوئی گالی نہیں ہے جو اس آیت کے مخاطبوں کو دی گئی ہو، بلکہ عربی زبان میں کافر کے معنی انکار کرنے والے اور نہ ماننے والے (Unbeliever) کے ہیں، اور اس کے مقابلے میں "مومن" کا لفظ مان لینے اور تسلیم کر لینے والے (Believer) کے لیے بولا جاتا ہے، لہذا اللہ کے حکم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "اے کافرو" دراصل اس معنی میں ہے کہ "اے وہ لوگو جنہوں نے میری رسالت اور میری لائی ہوئی تعلیم کو ماننے سے انکار کیا ہے"۔ اور اسی طرح ایک مومن جب یہ لفظ کہے گا تو اس کی مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے والے ہوں گے۔

(۳) اے کافرو کہا ہے، اے مشرک کو نہیں کہا، اس لیے مخاطب صرف مشرکین ہی نہیں ہیں بلکہ وہ سب لوگ ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول، اور آپ کی لائی ہوئی تعلیم و ہدایت کو اللہ جل شانہ کی تعلیم و ہدایت نہیں مانتے، خواہ وہ یہود ہوں، نصاریٰ ہوں، مجوسی ہوں، یا دنیا بھر کے کفار و مشرکین اور ملحد ہوں۔ اس خطاب کو صرف قریش یا عرب کے مشرکین تک محدود رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

(۴) منکرین کو اے کافرو کہہ کر خطاب کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے ہم کچھ لوگوں کو اے دشمنو یا اے مخاطبو کہہ کر مخاطب کیں۔ اس طرح کا خطاب دراصل مخاطبوں کی ذات سے نہیں ہوتا بلکہ ان کی صفت دشمنی اور صفت مخالفت کی بنا پر ہوتا ہے اور اسی وقت تک کے لیے ہوتا ہے جب تک ان میں یہ صفت باقی رہے۔ اگر ان میں سے کوئی دشمنی و مخالفت چھوڑ دے، یا دوست اور حامی بن جائے تو وہ اس خطاب کا مخاطب نہیں رہتا۔ بالکل اسی طرح جن لوگوں کو "اے کافرو" کہہ کر خطاب کیا گیا ہے، وہ بھی ان کی صفت کفر کے لحاظ سے نہ کہ ان کی ذاتی حیثیت سے، ان میں سے جو شخص مرتے دم تک کافر رہے اس کے لیے تو یہ خطاب دائمی ہوگا، لیکن جو شخص ایمان لے آئے وہ اس کا مخاطب نہ رہے گا۔

(۵) مفسرین میں سے بہت سے بزرگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس سورۃ میں "اے کافرو" کا خطاب قریش کے صرف ان چند مخصوص لوگوں سے تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دین کے معاملے میں مصالحت کی تجویزیں لے لے کر آ رہے تھے اور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا تھا کہ یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ یہ رائے انہوں نے دو وجودہ سے قائم کی ہے۔ ایک یہ کہ آگے لَاَ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ (جس کی یا جن کی عبادت تم کرتے ہو اس کی یا ان کی عبادت میں نہیں کرتا) فرمایا گیا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ قول یہود و نصاریٰ پر صادق نہیں آتا، کیونکہ وہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ آگے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ (اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں) اور ان کا استدلال یہ ہے کہ یہ قول ان لوگوں پر صادق نہیں آتا جو اس سورۃ کے نزول کے وقت کافر تھے اور بعد میں ایمان لے آئے۔ لیکن یہ دونوں دلیل صحیح نہیں ہیں۔ جہاں تک ان آیتوں کا تعلق ہے ان کی تشریح تو ہم آگے چل کر کریں گے جس سے

معلوم ہو جائے گا کہ ان کا وہ مطلب نہیں ہے جو ان سے سمجھا گیا ہے۔ یہاں اس استدلال کی غلطی واضح کرنے کے لیے صرف اتنی بات کہہ دینا کافی ہے کہ اگر اس سورہ کے مخاطب صرف وہی لوگ تھے تو ان کے مرکب جانے کے بعد اس سورہ کی تلاوت جاری رہنے کی آخر کیا وجہ ہے؟ اور سے مستقل طور پر قرآن میں درج کر دینے کی کیا ضرورت تھی کہ قیامت تک مسلمان اسے پڑھتے رہیں؟

▲ سورة الكافرون حاشیہ نمبر: 2

اس میں وہ سب معبود شامل ہیں جن کی عبادت دنیا بھر کے کفار اور مشرکین کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں، خواہ وہ ملائکہ ہوں، جنہوں، انبیاء اور اولیاء ہوں، زندہ یا مردہ انسانوں کی ارواح ہوں، یا سورج، چاند ستارے، جانور، درخت، دریا، بت اور خیالی دیویاں اور دیوتا ہوں۔ اس پر یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ مشرکین عرب اللہ تعالیٰ کو بھی تو معبود مانتے تھے اور دنیا کے دوسرے مشرکین نے بھی قدیم زمانے سے آج تک اللہ کے معبود ہونے کا انکار نہیں کیا ہے۔ رہے اہل کتاب تو وہ اصل معبود تو اللہ ہی کو تسلیم کرتے ہیں۔ پھر ان سب لوگوں کے تمام معبودوں کی عبادت سے کسی استثناء کے بغیر براءت کا اعلان کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ اللہ بھی ان میں شامل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کو معبودوں کے مجموعے میں ایک معبود کی حیثیت سے شامل کر کے اگر دوسروں کے ساتھ اس کی عبادت کی جائے تو وہ شخص جو توحید پر ایمان رکھتا ہو لازماً اس عبادت سے اپنی براءت کا اظہار کرے گا، کیونکہ اس کے نزدیک اللہ معبودوں کے مجموعے میں سے ایک معبود نہیں بلکہ وہی ایک تھا معبود ہے، اور اس مجموعے کی عبادت سرے سے اللہ کی عبادت ہی نہیں ہے اگرچہ اس میں اللہ کی عبادت بھی شامل ہو۔ قرآن مجید میں اس بات کو صاف صاف کہا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت صرف وہ ہے جس کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت کا شائبہ تک نہ ہو، اور جس میں انسان اپنی بندگی کو بالکل اللہ ہی کے لیے خالص کر دے۔ وَمَا أُمْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ

لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءً۔ " لوگوں کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ بالکل یک سو ہو کر، اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس کی عبادت کریں۔" (البینہ-5) یہ مضمون بکثرت مقامات پر قرآن میں پوری وضاحت کے ساتھ اور پورے زور کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو النساء، آیات 145-146۔ الاعراف 29۔ الزمر 2-3-11-14-15۔ المؤمن 14-64 تا 66۔ یہی مضمون ایک حدیث قدسی میں بیان کیا گیا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: " اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں سب سے بڑھ کر ہر شریک کی شرکت سے بے نیاز ہوں، جس شخص نے کوئی عمل ایسا کیا جس میں میرے ساتھ کسی اور کو بھی اس نے شریک کیا ہو اس سے میں بری ہوں اور وہ پورا کا پورا عمل اسی کے لیے ہے جس کو اس نے شریک کیا" (مسلم، مسند احمد، ابن ماجہ) پس درحقیقت اللہ کو دو یا تین یا بہت سے خداؤں میں سے ایک قرار دینا اور اس کے ساتھ دوسروں کی بندگی و پرستش کرنا ہی تو وہ اصل کفر ہے جس سے اظہار براءت کرنا اس سورۃ کا مقصد ہے۔

سورة الكافرون حاشیہ نمبر: 3 ▲

اصل الفاظ ہیں مَا أَعْبُدُ۔ عربی زبان میں مَا کا لفظ عموماً بے جان یا بے عقل چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور ذی عقل ہستیوں کے لیے مَنْ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اس بنا پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں مَنْ أَعْبُدُ کہنے کے بجائے مَا أَعْبُدُ کیوں کہا گیا ہے؟ اس کے چار جواب عام طور پر مفسرین نے دیے ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں مَا بمعنی مَنْ ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں مَا بمعنی الَّذِي (یعنی جو یا جس) ہے۔ تیسرے یہ کہ دونوں فقروں میں مَا مصدر کے معنی میں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ میں وہ عبادت نہیں کرتا جو تم کرتے ہو، یعنی مشرکانہ عبادت، اور تم وہ عبادت نہیں کرتے جو میں

کرتا ہوں، یعنی موحدانہ عبادت۔ چوتھے یہ کہ پہلے فقرے میں چونکہ مَا تَعْبُدُونَ فرمایا گیا ہے اس لیے دوسرے فقرے میں کلام کی مناسبت برقرار رکھتے ہوئے مَا أَعْبُدُ فرمایا گیا ہے، لیکن دونوں جگہ صرف لفظ کی یکسانی ہے، معنی کی یکسانی نہیں ہے، اور اس کی مثالیں قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی ملتی ہیں۔ مثلاً سورہ بقرہ آیت 194 میں فرمایا گیا ہے: فَمَنْ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ۔ "جو تم پر زیادتی کرے اس پر تم ویسی ہی زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر کی ہے" ظاہر ہے کہ زیادتی کا ویسا ہی جواب جیسی زیادتی کی گئی ہو، زیادتی کی تعریف میں نہیں آتا، مگر محض کلام کی یکسانی کے لیے جو اب زیادتی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح سورہ توبہ آیت 67 میں ارشاد ہوا ہے: نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ۔ "وہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ ان کو بھول گیا"۔ حالانکہ اللہ بھولتا نہیں ہے اور مقصود کلام یہ ہے کہ اللہ نے ان کو نظر انداز فرمادیا، لیکن ان کے نسیان کے جواب میں اللہ کے لیے نسیان کا لفظ محض کلام کی یکسانی برقرار رکھنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

یہ چاروں تاویلات اگرچہ ایک ایک لحاظ سے درست ہیں اور عربی زبان میں یہ سب معنی لینے کی گنجائش ہے، لیکن ان میں سے کسی سے بھی وہ اصل مدعا واضح نہیں ہوتا جس کے لیے مَنْ أَعْبُدُ کہنے کے بجائے مَا أَعْبُدُ کہا گیا ہے۔ دراصل عربی زبان میں کسی شخص کے لیے جب مَنْ کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس سے مقصود اس کی ذات کے متعلق کچھ کہنا یا پوچھنا ہوتا ہے، اور جب مَا کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس سے مقصود اس کی صفت کے بارے میں استفسار یا اظہار خیال ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اردو زبان میں جب ہم کسی شخص کے متعلق پوچھتے ہیں کہ یہ صاحب کون ہیں تو مقصد اس شخص کی ذات سے تعارف حاصل

کرنا ہوتا ہے، مگر جب ہم کسی شخص کے متعلق پوچھتے ہیں کہ یہ صاحب کیا ہیں؟ تو اس سے یہ معلوم کرنا مقصود ہوتا ہے کہ مثلاً وہ فوج آدمی ہے تو فوج میں اس کا منصب کیا ہے؟ اور کسی درسگاہ سے تعلق رکھتا ہے تو اس میں ریڈر ہے؟ لکچرر ہے؟ پروفیسر ہے؟ کس علم یا فن کا استاد ہے؟ کیا ڈگریاں رکھتا ہے؟ وغیرہ پس اگر اس آیت میں یہ کہا جاتا کہ لَا أَنْتُمْ عِبَادُونَ مَنْ أَعْبَدُ تُو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ تم اس ہستی کی عبادت کرنے والے نہیں ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں اور اس کے جواب میں مشرکین اور کفار یہ کہہ سکتے تھے کہ اللہ کی ہستی کو تو ہم مانتے ہیں، اور اس کی عبادت بھی ہم کرتے ہیں؟ لیکن جب یہ کہا گیا کہ لَا أَنْتُمْ عِبَادُونَ مَا أَعْبَدُ تُو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جن صفات کے معبود کی عبادت میں کرتا ہوں ان صفات کے معبود کی عبادت کرنے والے تم نہیں ہو۔ اور یہی وہ اصل بات ہے جس کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دین منکرین خدا کے سوا تمام اقسام کے کفار کے دین سے قطعی طور پر الگ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آپ کا خدا ان سب کے خدا سے بالکل مختلف ہے۔ ان میں سے کسی کا خدا ایسا ہے جس کو چھ دن میں دنیا پیدا کرنے کے بعد ساتویں دن آرام کرنے کی ضرورت پیش آئی، جو رب العالمین نہیں بلکہ رب اسرائیل ہے، جس کا ایک نسل کے لوگوں سے ایسا خاص رشتہ ہے جو دوسرے انسانوں سے نہیں ہے، جو حضرت یعقوب سے کشتی لڑتا ہے اور ان کو گرا نہیں سکتا، جو عزیز نامی ایک بیٹا بھی رکھتا ہے، کسی کا خدا یسوع مسیح نامی ایک اکلوتے بیٹے کا باپ ہے اور وہ دوسروں کے گناہوں کا کفارہ بنانے کے لیے اپنے بیٹے کو صلیب پر چڑھوا دیتا ہے۔ کسی کا خدا بیوی بچے رکھتا ہے، مگر بے چارے کے ہاں صرف بیٹیاں پیدا ہوتی ہیں، کسی کا خدا انسانی شکل میں روپ دھارتا ہے اور زمین پر انسانی جسم میں رہ کر انسانوں کے سے کام کرتا ہے۔ کسی کا خدا محض واجب الوجود، یا علت العلل یا علت اولی (First Cause) ہے، کائنات کے نظام کو ایک مرتبہ حرکت دے کر

الگ جا بیٹھا ہے، اس کے بعد کائنات لگے بندھے تو انین کے مطابق خود چل رہی ہے اور انسان کا اس سے اور اس کا انسان سے اب کوئی تعلق نہیں ہے۔ غرض خدا کو ماننے والے کفار بھی درحقیقت اس خدا کو نہیں مانتے جو ساری کائنات کا ایک ہی خالق، مالک، مدبر، منتظم اور حاکم ہے۔ جس نے نظام کائنات کو صرف بنایا ہی نہیں ہے بلکہ ہر آن وہی اس کو چلا رہا ہے اور اس کا حکم ہر وقت یہاں چل رہا ہے۔ جو ہر عیب، نقص، کمزوری اور غلطی سے منزہ ہے، جو ہر تشبیہ اور تجسیم سے پاک ہے، ہر نظیر و مثیل سے مبرا اور ہر ساتھی اور سا جھی سے بے نیاز ہے۔ جس کی ذات، صفات، اختیارات اور استحقاق معبودیت میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ جو اس سے بالاتر ہے کہ کوئی اس کی اولاد ہو، یا کسی کو وہ بیٹا بنائے، یا کسی قوم اور نسل سے اس کا کوئی خاص رشتہ ہو جس کا اپنی مخلوق کے ایک ایک فرد کے ساتھ رزقی اور رویت اور رحمت اور نگہبانی کا براہ راست تعلق ہے۔ جو دعائیں سننے والا اور ان کا جواب دینے والا ہے۔ جو موت اور زندگی، نفع اور ضرر اور قسمتوں کے بناؤ اور بگاڑ کے جملہ اختیارات کا تنہا مالک ہے۔ جو اپنی مخلوق کو صرف پالتا ہی نہیں ہے بلکہ ہر ایک کو اس کی حیثیت اور ضرورت کے مطابق ہدایت بھی دیتا ہے۔ جس کے ساتھ ہمارا تعلق صرف یہی نہیں ہے کہ وہ ہمارا معبود ہے اور ہم اس کی پرستش کرتے ہیں، بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے انبیاء اور اپنی کتابوں کے ذریعہ سے ہمیں امر و نہی کے احکام دیتا ہے اور ہمارا کام اس کے احکام کی اطاعت کرنا ہے۔ جس کے سامنے ہم اپنے اعمال کے لیے جواب دہ ہیں، جو مرنے کے بعد ہمیں دوبارہ اٹھانے والا ہے اور ہمارے اعمال کا محاسبہ کر کے جزا اور سزا دینے والا ہے۔ ان صفات کے معبود کی عبادت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی پیروی کرنے والوں کے سوا دنیا میں کوئی بھی نہیں کر رہا ہے۔ دوسرے اگر خدا کی عبادت کر بھی رہے ہیں تو اصلی اور حقیقی خدا کی نہیں بلکہ اس خدا کی عبادت کر رہے ہیں جو ان کا اپنا اختراع کردہ ایک خیالی خدا ہے۔

سورة الكافرون حاشیہ نمبر: 4 ▲

مفسرین میں سے ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ دونوں فقرے پہلے دو فقروں کے مضمون کی تکرار ہیں، اور یہ تکرار اس غرض کے لیے کی گئی ہے کہ اس بات کو زیادہ پر زور بنا دیا جائے جو پہلے دو فقروں میں کہی گئی تھی۔ لیکن بہت سے مفسرین اس کو تکرار نہیں مانتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ان میں ایک اور مضمون بیان کیا گیا ہے جو پہلے فقروں کے مضمون سے مختلف ہے۔ ہمارے نزدیک اس حد تک تو ان کی بات صحیح ہے کہ ان فقروں میں تکرار نہیں ہے، کیونکہ ان میں صرف "اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں" کا اعادہ کیا گیا ہے۔ اور یہ اعادہ بھی اس معنی میں نہیں ہے جس میں یہ فقرہ پہلے کہا گیا تھا۔ مگر تکرار کی نفی کرنے کے بعد مفسرین کے اس گروہ نے ان دونوں فقروں کے جو معنی بیان کیے ہیں وہ ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ یہاں اس کا موقع نہیں ہے کہ ہم ان میں سے ہر ایک کے بیان کردہ معنی کو نقل کر کے اس پر بحث کریں، اس لیے طول کلام سے بچتے ہوئے ہم صرف وہ معنی بیان کریں گے جو ہمارے نزدیک صحیح ہیں۔

پہلے فقرے میں فرمایا گیا ہے کہ "اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے" اس کا مضمون آیت نمبر 2 کے مضمون سے بالکل مختلف ہے جس میں فرمایا گیا تھا کہ "میں ان کی عبادت نہیں کرنا جن کی عبادت تم کرتے ہو"۔ ان دونوں باتوں میں دو حیثیتوں سے بہت بڑا فرق ہے۔ ایک یہ کہ میں فلاں کام نہیں کرتا یا نہیں کروں گا کہنے میں اگرچہ انکار اور پر زور انکار ہے، لیکن اس سے بہت زیادہ زور یہ کہنے میں ہے کہ میں فلاں کام کرنے والا نہیں ہوں، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایسا برا کام ہے جس کا ارتکاب کرنا تو درکنار اس کا ارادہ یا خیال کرنا بھی میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ "جن کی عبادت تم کرتے ہو" کا اطلاق صرف ان معبودوں پر ہوتا ہے جن کی عبادت کفار اب کر رہے ہیں۔

بخلاف اس کے "جن کی عبادت تم نے کی ہے" کا اطلاق سن سب معبودوں پر ہوتا ہے جن کی عبادت کفار اور ان کے آباؤ اجداد زمانہ ماضی میں کرتے رہے ہیں۔ اب یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ مشرکین اور کفار کے معبودوں میں ہمیشہ رد و بدل اور حذف و اضافہ ہوتا رہا ہے، مختلف زمانوں میں کفار کے مختلف گروہ مختلف معبودوں کو پوجتے رہے ہیں، اور سارے کافروں کے معبود ہمیشہ اور ہر جگہ ایک ہی نہیں رہے ہیں۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہارے آج کے معبودوں ہی سے نہیں بلکہ تمہارے آباؤ اجداد کے معبودوں سے بھی بری ہوں اور میرا یہ کام نہیں ہے کہ ایسے معبودوں کی عبادت کا خیال تک اپنے دل میں لاؤں۔

رہا دوسرا فقرہ، تو اگرچہ آیت 5 میں اُس کے الفاظ وہی ہیں جو آیت 3 میں ہیں، لیکن دونوں جگہ اُس کا مفہوم مختلف ہے۔ آیت 3 میں وہ اِس فقرے کے بعد آیا ہے کہ ”میں اُن کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو“، اس لیے اس کا مطلب یہ ہے کہ ”اور نہ تم اُن صفات کے معبودِ واحد کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔“ اور آیت نمبر 5 میں وہ اِس فقرے کے بعد آیا ہے کہ ”اور نہ میں اُن کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے“، اس لیے اس کے معنی یہ ہیں کہ ”اور نہ تم اُس معبودِ واحد کی عبادت کرنے والے بنتے نظر آتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں“، یا بالفاظِ دیگر، میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ جن جن کو تم نے اور تمہارے اسلاف نے پوجا ہے اُن کا پُجاری بن جاؤں، اور تم کو بہت سے معبودوں کی بندگی چھوڑ کر ایک معبودِ واحد کی عبادت اختیار کرنے سے جو چڑھے، اُس کی بنا پر تم سے یہ توقع نہیں ہے کہ اپنی اِس غلط عبادت سے باز آ جاؤ گے اور اُس کی عبادت کرنے والے بن جاؤ گے جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔

سورة الكافرون حاشیہ نمبر: 5 ▲

یعنی میرا دین الگ ہے اور تمہارا دین الگ۔ میں تمہارے معبودوں کا پرستار نہیں اور تم میرے معبود کے پرستار نہیں۔ میں تمہارے معبودوں کی بندگی نہیں کر سکتا اور تم میرے معبود کی بندگی کے لیے تیار نہیں ہو۔ اس لیے میرا اور تمہارا راستہ کبھی ایک نہیں ہو سکتا۔ یہ کفار کو رواداری کا پیغام نہیں ہے، بلکہ جب تک وہ کافر ہیں ان سے ہمیشہ کے لیے براءت، بیزاری اور لاتعلقی کا اعلان ہے، اور اس سے مقصود ان کو اس امر سے قطعی اور آخری طور پر مایوس کر دینا ہے کہ دین کے معاملہ میں اللہ کا رسول اور اس پر ایمان لانے والوں کا گروہ کبھی ان سے کوئی مصالحت کرے گا، یہی اعلان براءت اور اظہار بیزاری اس سورۃ کے بعد نازل ہونے والی مکی سورتوں میں پے در پے کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ یونس میں فرمایا "اگر یہ تجھے جھٹلاتے ہیں تو کہہ دے کہ میرا عمل میرے لیے اور تمہارا عمل تمہارے لیے، جو کچھ میں کرتا ہوں اس کی ذمہ داری سے تم بری ہو اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس کی ذمہ داری سے میں بری ہوں"۔ (آیت 41) پھر آگے چل کر اسی سورہ میں فرمایا "اے نبی، کہہ دو کہ لوگو، اگر تم میرے دین کے متعلق (ابھی تک) کسی شبہ میں ہو تو (سن لو کہ) اللہ کے سوا تم جن کی بندگی کرتے ہو میں ان کی بندگی نہیں کرتا، بلکہ صرف اس خدا کی بندگی کرتا ہوں جس کے اختیار میں تمہاری موت ہے" (آیت 104) سورہ سبأ میں فرمایا "ان سے کہو جو قصور ہم نے کیا ہو اس کی باز پرس تم سے نہ ہوگی اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس کی کوئی جواب طلبہ یم سے نہیں کی جائے گی، کہو ہمارا رب (ایک وقت) ہمیں اور تمہیں جمع کرے گا اور ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے گا"۔ (آیات 25-26) سورہ زمر میں فرمایا "ان سے کہو، اے میری قوم کے لوگو، تم اپنی جگہ کام کیے جاؤ، میں اپنا کام کرتا رہوں گا، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رسوا کن عذاب آتا ہے اور کسے وہ سزا ملتی ہے جو ٹلنے والی نہیں"۔ (آیات 39-40) پھر یہی سبق مدینہ طیبہ میں تمام مسلمانوں کو دیا گیا کہ "تم لوگوں کے لیے

ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے، جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو، قطعی بیزار ہیں، ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت ہو گئی اور بیرپڑ گیا جب تک تم اللہ و اح پر ایمان نہ لاؤ۔" (الممتحنہ۔

آیت 4) قرآن مجید کی ان پے در پے توضیحات سے اس شبہ کی گنجائش تک نہیں رہتی کہ لَكُمْ دِينُكُمْ

وَلِي دِينِ كَامَطْلَبِ يَهِي كَه تَم اِپْنِي دِينِ پَر قَائِم رَهو اور مجھے اپنے دین پر چلنے دو۔ بلکہ یہ اسی طرح کی بات ہے جیسی سورہ زمر میں فرمائی گئی ہے کہ "اے نبی ان سے کہو کہ میں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اسی کی بندگی کروں گا، تم اسے چھوڑ کر جس جس کی بندگی کرنا چاہو کرتے رہو۔" (آیت 14)

اس آیت سے امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے یہ استدلال کیا ہے کہ کافروں کے مذاہب خواہ باہم کتنے ہی مختلف ہوں لیکن کفر بحیثیت مجموعی ایک ہی ملت ہے، اس لیے یہودی عیسائی کا، اور عیسائی یہودی کا، اور اسی طرح ایک مذہب کا کافر دوسرے مذہب کے کافر کا وارث ہو سکتا ہے اگر ان کے درمیان نسب، یا نکاح یا کسی سبب کی بنا پر کوئی ایسا تعلق ہو جو ایک کی وراثت دوسرے کو پہنچنے کا مقتضی ہو۔ بخلاف اس کے امام مالک، امام اوزاعی اور امام احمد اس بات کے قائل ہیں کہ ایک مذہب کے پیرو دوسرے مذہب کے پیرو کی وراثت نہیں پاسکتے۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جو حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے منقول ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یتوارث اهل ملتین شتی۔ "دو مختلف ملتوں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔" (مسند احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ، دار قطنی) اس سے ملتے جلتے مضمون کی ایک حدیث ترمذی نے حضرت جابر سے اور ابن حبان نے حضرت عبد اللہ بن عمرو سے اور بزار نے حضرت ابو ہریرہ سے نقل کی ہے۔ اس مسئلے پر مفصل بحث کرتے ہوئے مسلک حنفی کے مشہور امام

شمس الائمہ سرخسی لکتے ہیں۔ "کفار آپس میں ان سب اسباب کی بنا پر بھی ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں جن کی بنا پر مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں، اور ان کے درمیان بعض ایسی سورتوں میں بھی توارث ہو سکتا ہے جن میں مسلمانوں کے درمیان نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے بس دو ہی دین قرار دیے ہیں، ایک دین حق، دوسرے دین باطل چنانچہ فرمایا **لَكُمْ دِينُكُمْ وَ لِي دِينٌ**۔ اور اس نے لوگوں کے دو ہی فریق رکھے ہیں، ایک فریق جنتی ہے اور وہ مومن ہے۔ اور دوسرا فریق دوزخی ہے اور وہ بحیثیت مجموعی تمام کفار ہیں۔ اور اس نے دو ہی گروہوں کو ایک دوسرے کا مخالف قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا **هَذَانِ حَصْنِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ** (یہ دو مد مقابل فریق ہیں جن کے درمیان اپنے رب کے معاملے میں جھگڑا ہے۔ الحج آیت 19) یعنی ایک فریق تمام کفار بحیثیت مجموعی ہیں اور ان کا جھگڑا اہل ایمان سے ہے۔ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ وہ اپنے اعتقاد کے مطابق باہم الگ الگ ملتیں ہیں، بلکہ مسلمانوں کے مقابلے میں وہ سب ایک ملت ہیں کیونکہ مسلمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کا اقرار کرتے ہیں اور وہ ان کا انکار کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ کافر قرار پائے ہیں اور مسلمانوں کے معاملہ میں وہ سب ایک ملت ہیں۔ حدیث لایتوارث اہل ملتین اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے، کیونکہ ملتین (دو ملتوں) کی تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے کر دی ہے کہ **لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ**۔ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے، (المبسوط، جلد 3، صفحات 30-32) امام سرخسی نے یہاں جس حدیث کا حوالہ دیا ہے اسے بخاری، مسلم، نسائی، احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور ابوداؤد نے حضرت اسامہ بن زید سے روایت کیا ہے۔